کل من علیہا فان و یبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

حضرت قطب العالم خاتم الاولیاء والمحدثین فخر الفقہاء والمشائخ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات پر

مرثیہ

از قلم فیض رقم حضرت مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند مرحوم

(مولوی) محمد اسحاق مالک کتبخانہ رحیمیہ دیوبند نے
اپنے
کتب خانہ رحیمیہ دیوبند سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

مرثیہ

متاعِ دہر پر غرّہ نہ کر ہے سخت نادانی
غذائے مور ہیں دیکھا جو کرتے تھے سلیمانی

عجب نادان ہیں جن کو ہے تخت وتاج پر غرّہ
کسی کی قیصری باقی رہی اب نہ خاقانی

دریغا صرصرِ بادِ حوادث سے ہوئی برباد
کہاں ہے گنجِ بادآورد اور تختِ سلیمانی

زمانے میں ہوا جو کچھ فنا ہونا ضروری ہے
زمانی اور بقا توبہ زمانہ تو ہے خود فانی

یہ نیرنگی حوادث کی جب اپنا گل کھلاتی ہے
بنے گورِ غریباں دم کے دم میں صحن بستانی

جو گلہائے شگفتہ تھے یکایک ہو گئے غنچے
بلا کی آئی باغِ دہر میں فصلِ زمستانی

جہاں تھا خندۂ شادی وہاں ہے نوحہ ماتم
جو تاج خسروی تھا آج ہے کشکولِ سامانی

سراغ پا تلک ملتا نہیں پہنچے کہیں ایسے
تلاشِ رفتگاں میں گرچہ ہم نے خاک تک چھانی

فلک کے ایک ہی ستِ جفا میں ہم نے یہ دیکھا
کہ ایک عالم کی عمریں کٹ گئیں کہیں یا نسانی

ملایا خاک میں ہم کو فلک نے ایک شوخی میں
ارے ظالم نہ کر اتنی زیادہ نامسلمانی

ملا کر خاک و خوں میں بیکسوں کی آرزوں کو
پھر ہم سے پوچھتا ہے ہائے ظالم وجہ گریانی

شکایت ظلم کی بیجا ہے اُس چرخِ ستمگر سے
جسے جمعیتِ خاطر ہو خلقت کی پریشانی

تمہارے قتل سب سہل تھے پر اسکو کیا کیجے
وہاں جان ہم کو ہو گئی اپنی گرانجانی

ہجوم یاس میں مہلت کہاں اتنی کوئی ڈھونڈے
کدھر ہے عیشِ رفتہ اور کہاں ہے عشرتِ فانی

ہوا برباد گھر لیکن ہے قطروں میں وہی نقشہ
مری آنکھوں سے دیکھے کوئی میرے گھر کی ویرانی

ہم اپنی جان کے دشمن نہیں پر کیا علاج اس کا
غموں کی جانِ مضطر پر غضب کی ہے فراوانی

ہزاروں غم ہیں دنیا میں بتائیں نام کس کس کا
غمِ مرشد ہی مرشد غموں کا ہے یہ وجدانی

خبر بھی ہے کہ اس جانِ جہاں نے ہم سے منہ موڑا
کوئی بے وجہ ہم اپنے ہوئے ہیں دشمنِ جانی؟

نہ ہو صبحِ وطن کیونکر بتر شامِ غریباں سے
فراقِ دلربا میں گھر ہے رشکِ کنجِ زندانی

خبر ہے جان کو دل کی نہ دل کو جان کی پروا
فقط سیتے پہ ہے ہاتھ اور زانو پر ہے پیشانی

جو تھا موصل الی اللہ ہو گیا واصل بحق ہے ہے

پھرے ہیں ڈھونڈتے سر گشتگان تیغ سبحانی
جنید و شبلی ثانی ابو مسعود انصاری.
رشید ملت و دین غوث اعظم قطب ربانی.
نسیم بحر رافت فضل رحمان منبع احساں
قسیم فیض یزداں ابر رحمت ظل سبحانی
زمانہ نے دیا اسلام کو داغ اسکی فرقت کا
کہ تھا داغ غلامی جس کا تمغائے مسلمانی
زباں پر اہل اہوا کی ہے کیوں اعل ہبل شاید
اٹھا عالم سے کوئی بانی اسلام کا ثانی
نکلکر کس نے آبادی سے صحرا کو کیا مسکن.
چمن ہے دشت اور گھر میں ہے ویرانی سی ویرانی
وہ صحرا دیکھنے سے جسکے گھر یاد آہی جاتا تھا.
اب اسکو یاد دلواتی ہے میرے گھر کی ویرانی
کہاں لوٹیں کہاں تڑپیں کہاں دل کھولکر روئیں
جگر خوں کرتی ہے دار فنا کی تنگ میدانی
کف افسوس ملنے کی نہ ہو ہاتھوں کو جب مہلت

کریں کاہے سے پھر زخمِ جگر کی ہم نگہبانی

ہجومِ رنج و غم جوشِ بکا کی حد نہیں. اب ہم

سراپا دل نہیں یا چشم ہے یہ سخت حیرانی

خوشی کیا اب کسی غم کی بھی گنجائش نہیں دل میں

غمِ جانکاہِ جاناں کر رہا ہے دل کی دربانی

نہ آئے کس طرح ان غمزدوں کے حال پر رونا

کہ جن آفت زدوں کی درد دل کرتا ہے دربانی

امید مرگ پر جن کا مدارِ زندگانی ہو

ہے قابل دیکھنے کے انکی مایوسی و حیرانی

نہیں ہے سینۂ مجروح کم گنجِ شہیداں سے

تمنائیں جو تھیں دل میں ہوئی ہے سب کی قربانی

امیدوں کا ہوا ہے خاتمہ یک لخت ہجراں میں

مرے طولِ اَمل سے بھی الم نکلا یہ طولانی

مچی ہے عالم علوی و سفلی میں عجب ہلچل

وہاں ہے غلغلہ شادی کا یاں ماتم کی طغیانی

دم آخر ہے ظالم دیکھ لینے دے نظر بھر کر

نہ گھبرا دیدۂ تر کرتے رہنا اشک افشانی.

مسیحائے زماں پہنچا فلک پر چھوڑ کر سب کو

چھپا چاہِ لحد میں وائے قسمت ماہِ کنعانی

چھپا شمسِ ہدایت اور ہوئے سب مقتبس اس کے

دریغا وائے حسرت پائمالِ سیرِ کیوانی

نظر سے ہو کے غائب دل میں لو وہ چھپ کے بیٹھے ہیں

دل و دیدہ کی جنگِ باہمی مشکل ہے سلجھانی

فنائے تام پر بھی بس نہ کی ہے غضب اس نے

جسے کہتا تھا اک عالم بقائے عالمِ فانی

نہ سمجھے تھے کہ اس جانِ جہاں سے یوں جدا ہوں گے

یہ سنتے گو چلے آتے تھے اک دن جان ہے جانی

تڑپتے تربتِ اقدس پہ اُس کی ہیں کہ ہوتی تھی

درِ دولت پہ جس کے کشتۂ آرہ کی قربانی

غبارِ کوئے جاناں اب تلک باقی ہے آنکھوں میں

سمائے خاک نظروں میں مری تختِ صفاہانی

نہ ہوتے گر جدا قدموں سے اس سالارِ خوباں کو

تو پھر ہم دیکھ لیتے زالِ دنیا کی زیبانی

الٰہی کیا کریں کیونکر سنیں وہ لحنِ داؤدی

خدایا کس طرح آوے نظر وہ شکلِ نورانی

جب ان کی صوت و صورت سے ہی محروم رہی تو بہتر ہے
مرے کانوں کا گر ہونا اور آنکھیں کور ہو جانی
فقط اُن کے شمائل میں سے کوئی ایک کھلا دے
کئے تھے حق تعالیٰ نے جو مولٰنا کو ارزانی
غریب و عاجز و بے کس کریں کیا اور کدھر جائیں
ہوئی ہے میزبان خلق کی جنت میں مہمانی
حوائج دین و دنیا کے کہاں لیجائیں ہم یا رب
گیا وہ قبلۂ حاجاتِ روحانی و جسمانی
دعا کس سے کریں پوچھنے فتوٰے کدھر جائیں
سنائے کون اگر چاہیں سنیں ہم وعظ عرفانی
مقدر تھا سو پیش آیا یہی حسرت ہے اب دل میں
کہ اس فخرِ اکابر کی نہ ہم نے قدر پہچانی
تن آسانی میں کھوئی عمر ساری کیا قیامت ہے
پشیمانی سے اب حاصل ہے کیا غیر از پریشانی
دل سودہ زدہ بہلے یونہی کچھ دستو شاید
کریں مدح و ثنا میں آپ کی آؤ غزل خوانی

غزل مدحیہ

وہ صدیقِ معظم تھے سحابِ لطف رحمانی

وہ شمعِ دین و ملت تھے گلِ گلزارِ عرفانی
وہ تھے کبریتِ ایمانی وہ تھے یاقوتِ روحانی
ہے کیا کبریتِ احمر اور کیا یاقوتِ رمانی
قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں
عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسفِ ثانی
رقابِ اولیا کیوں خم نہ ہوتیں آپ کے آگے
وہ شہبازِ طریقت تھے محی الدین جیلانی
خدا ان کا مربی وہ مربی تھے خلائق کے
مرے مولیٰ مرے ہادی تھے بیشک شیخ ربانی
جدھر کو آپ مائل تھے ادھر ہی حق بھی دائر تھا
مرے قبلہ مرے کعبہ تھے حقانی سے حقانی
ہدایت جس نے ڈھونڈی دوسری جگہ ہوا گمراہ
وہ میزابِ ہدایت تھے کہیں کیا نصِ قرآنی
فقیہ باخبر ایسا کوئی یارو بتائے تو
ہو جس کا علم اذعانی ہو جس کا حکم ایقانی
رخِ زیبا ہو جس کا مظہرِ اوعی من السامع
محدث ایسا دیکھیں گے کہاں اے داغِ حرمانی
مفسر ایسا لائیں گے کہاں سے یا خدا جیسے

ہوں قول و فعل دونوں کاشفِ اسرارِ قرانی

سراسر حق ہے لا تعصی صحابئہ پہ کیا کیجے
گیا زیرِ زمیں وہ محرمِ اسرارِ قرآنی

ہو سینہ جس کا مصباحِ نبوت کیلئے مشکوٰۃ
بجز مہدی نیابے این چنین ہادی حقانی

گدایانِ درِ دولت کے کشکول مرقع سے
نظر آتے تھے شرمندہ قبا و تاجِ سلطانی

پھرین تھے کعبہ میں بھی پوچھتے گنگوہ کا رستہ
جو رکھتے اپنے سینوں میں تھے ذوق و شوقِ عرفانی

دلِ طالب میں کھینچی شاہدِ مقصود کی صورت
بنامِ ایزد وہ سلطان المشائخ تھے عجب مانی

برومند و شرف اندوز اے سرچشمۂ احسان
تمہارے خوانِ نعمت سے سدا تھے قاصی و دانی

علائق اور امیدوں کیلئے خدام و اعدا کے
ہلال معاقد تھے غضب تیغِ صفا ہانی

جہاں تھا آپ کا ثانی وہیں جا پہنچے خود حضرت
ہیں کیونکر بھلا بس منہ سے مولنا تھے لاثانی

دلوں کو جھانکتے ہیں اپنے اور سب مسکراتے ہیں

کہا جب میں نے مولانا رشید احمد تھے لاثانی
تمہارے خوانِ نعمت سے نہیں تھے فضل چین ورنہ
کلیسا کی طرف ہرگز نہ جاتے شیخ صنعانی
نوائے شیخ انا الحق فیضیاب ہوتے اگر تم سے
انانیت کو اپنی جانتے اک حظِ نفسانی
فسادِ میر و مرزا سے بدولت آپ کی شاہا
غلاموں کو تمہارے کچھ نہ تھا خوف و پریشانی
ایازِ درگہِ عالی کی کفشِ پا کو شاہِ دین۔
تصور کرتا ہے محمود بہ از تاجِ سلطانی

دیگر

عزیزو فکر کیا ہے کس لیے مایوس بیٹھے ہو
وہ سالارِ طبیبان ہے دوائے دردِ حرمانی
تہی دستو نہ گھبراؤ نہ شرماؤ ادھر آؤ
وہ میزبانِ کرم اب بھی ہے سرگرمِ زرافشانی
ہدایت کے لیے آئے تھے یاں پا کر فراغت اب
گئے ہیں تا کریں واں مغفرت کی میرسامانی
شہید و صالح و صدیق ہیں حضرت باذن اللہ
حیاتِ شیخ کا منکر ہو جو ہے اس کی نادانی

رہے منہ آپ کی جانب تو بعد ظاہری کیا ہے
ہمارے قبلہ و کعبہ ہو تم دینی و ایمانی
ضرورت قابلیت کی تو ہر حالت میں ہے لیکن
قریب و دور یکساں مہر کی ہے نور افشانی۔
شہید خنجر تسلیم کو ہر دم ہے جاں تازہ
تفقد میں غلاموں کی تمہیں اب بھی ہے آسانی
چھپائے جائے فانوس کیونکر شمع روشن کو
تھی اس نور مجسم کے کفن میں وہی عریانی
وفات سرور عالم کا نقشہ آپ کی رحلت
تھی ہستی گر نظیر ہستی محبوب سبحانی
وہ تھی صدیق اور فاروق پھر کہئے عجب کیا ہے
شہادت نے تہجد میں قدمبوسی کی گر ٹھانی
فقط اک آپ کے دم سے نظر آتے تھے سب زندہ
بخاری و غزالی بصری و شبلی و شیبانی
نہ آئے مہدی موعود اور تم بھی چلے یاں سے
کرے گا گلشن اسلام کی کون اب نگہبانی۔
جنھیں چھوڑا تھا تم پر حضرت امداد و قاسم نے
کرے گا کون اب ان بے کسوں کی ہائے چوپانی

یہاں سے ساتھ لے چلنا ہمارا بات ہی کیا تھی
ترے صدقہ میں واں بھی ہو ہی جاتا فضلِ یزدانی
غلاموں کی تمہارے اے شہ دنیا و دیں حالت
اجل بھی دیکھکر ہنستی ہے لیکن ہو کے کھسیانی
تمہاری تربتِ انور کو دیکر طور سے تشبیہ
کہوں ہوں بار بار ارنی مری دیکھی بھی نادانی
اجل تھی آپ کی مرموز بطن الارض خیر من
کہو پھر دوستو کیا ہم نے تہ کی بات پہچانی
ہمارے واسطے ہی وحشتِ غربت اور غمِ فرقت
مبارک آپ کو شاہا ہو سیرِ باغِ رضوانی
تمہارے فیض سے اب بھی توقع ہے اگرچہ ہوں
اسیرِ قیدِ نفسانی رہینِ کیدِ شیطانی
طفیلِ مرشدِ عالم رشید الدین والملتہ
نکل جائے غمِ فرقت میں دم با نورِ ایمانی

قطعہ تاریخ وفات شریف

کلیجہ کیوں نہ شق ہو آہ منہ بھر بھر کے کہتے ہیں
زبانِ حال سے ارض و سما دلانی جانی

محی الدین اکبر جاتے ہیں دارِ فنا سے بس
اُٹھے اُف دیرِ ویراں سے محی الدین گیلانی

قطعہ

نبی کی تاب لائی ہے دلِ بیتاب آخر کار ۔ سناتا ہے ملک کو ولحاظِ رب حکمِ حقانی
چو ختم الانبیاء رفتند دگر کیست کو ماند ۔ مگر ذاتِ مقدس قادرِ قیوم سبحانی

قصیدہ مشتمل بر بعض حالاتِ مدرسہ عربیہ اسلامیہ دیوبند جسکو

حضرت مولانا نے جلسہ منعقدہ ۲ صفر المظفر میں سنا کر حضارِ مجلس کو مضطرب و بیقرار بنادیا

بین منن اور محن دونوں جہاں میں توام ۔ حکمتِ حق کا ہے دونوں میں نرالا عالم
کھینچنے کے لئے بندوں کے ہے اللہ اللہ ۔ عیش اور غم کی یہ قدرت میں کمندِ محکم
انقلاباتِ زمانہ کو سنا او غافل ۔ چشمِ تحقیر سے مت دیکھ نہ کر ایسا ستم
سائقِ لطف ہے ہر راحت و شادی کی لگی ۔ قائدِ خیر ہے دنیا میں ہر اک رنج و الم
رحمت و فضلِ خدا جب ہے غضب سے سابق ۔ کیوں نہ پھر قہر کو اس کے کہیں ہم لطف و کرم
اس کی آغوشِ غضب میں ہیں ہزاروں رحمت ۔ اس کے ہر لطف میں ہیں سینکڑوں الطاف و کرم
فضل سے اس کے کسی وقت نہ ہونا مایوس ۔ خواہ پیش آئے مسرت تجھے اور خواہ الم
رحمتِ حق کی ہے تمہید سمجھ او ناداں ۔ پیش دنیا میں جو کچھ آتا ہے اندوہ و الم

انقلاباتِ جہاں واعظِ رب ہیں سن لو
ہر تغیر سے صدا آتی ہے فافہم فافہم
للہ الحمد مری جان اور انّا للہ
مرجعِ ایماں کی ہیں بازو میں دو مستحکم
دانہ و دام سے کرتے ہیں کسی کو پابند
زخمِ شمشیر سے کرتے ہیں کسی کو بے دم
کسی کو خوف دلاتے ہیں کسی کو امید
کسی کے تیر لگاتے ہیں کسی کے مرہم
ہے وہی شاکر و صابر کہ بطوع و رغبت
سامنے ان کے کرے گردنِ تسلیم کو خم
دور اندیش وہی ہے کہ مصائب کے عوض
ہو کے خوش مرضیِ مولےٰ کی کرے سیم سلم
جزر و مدِ بحرِ حوادث کا بچشمِ حق بیں
طرۂ شاہدِ تقدیر کا ہے پیچ و خم
گردشِ دہر دکھاتی ہے ہمیں آنکھوں سے
کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِی شَأْنٍ کا نقشہ ہر دم
کل کی ہے بات کہ تھی جہل کی گھنگھور گھٹا
جس طرف آنکھ اٹھاتے تھی محیطِ عالم

آبِ حیواں کی طرح علم ہوا تھا مخفی
ظلمتِ جہل سے مخلوق تھی اعمٰی و اصم
حافظِ علم تھا اک سینۂ صندوق فقط
نہ کوئی حامیٔ علم خوار نہ کوئی ہم دم
رحمتِ حق ہوئی حامی تو یکایک اٹھے
چند مردانِ خدا باندھ کے صف ٹھوک کے خم
یوسفِ علمِ شریعت کے خریدار بنے
جمع کر کے سر اخلاص سے معدود درم
سلسلہ ڈالا فقیرانہ بنامِ اینٹ
کوردہ میں کہ جہاں بیٹھے ہیں اب باہم
شوق بہتا تھا بڑھو ضعف کہے تھا ٹھہرو
ناتوانوں کا تھا کیا کہئے عجب ضیق میں دم
اتنے میں دیکھتے کیا ہیں کہ اک مردِ خدا
آ رہا تیز روی سے ہے لئے ساتھ علم
بے نیازی و توکل رخِ روشن سے نمود
قطعِ منزل کے لئے دونوں قدم تیغ دو دم
چہرۂ خوب سے انوارِ تواضع ظاہر
نظرِ نیک سے آثارِ غنا مستفہم

کس بلا کی تھی نظر پڑتے ہی جسکی فی الفور
پڑ گئی جان میں جان آ ہی گیا دم میں دم

ناتوانوں کو ملا اس کی حمایت سے یہ زور
زینۂ بامِ ترقی پہ بڑھا سب کا قدم

تھی نرالی ہی کچھ اِس مردِ صفا کی سج دھج
تھے عجائب ہی کچھ اِس شیرِ خدا کے دم خم

گاڑ کر اُس نے علم ایک ندا کی ایسی
یک بیک چونک پڑے اہلِ مدر اہلِ خیم

اس کی آواز تھی یا بانگِ جبریلِ الٰہی
کہہ کے لبیک چلے اہلِ عرب اہلِ عجم

عقل و انصاف کا جس سر میں ذرا بھی تھا اثر
ذوقِ علمی کا تھا جس سینہ میں تھوڑا سا بھی دم

دین کا ذرہ بھی تھا قلب میں جس کے موجود
خیر کا شمہ بھی تھا جس کے مقدر میں رقم

باندھ کر چست کمر کہتے ہوئے نحن معک
جس جگہ اس یم رحمت کا پڑا نقشِ قدم

اس مربیٔ دل و جان کی مسیحائی سے
علم دین زندہ ہوا جہل نے لی راہ عدم

ظلمتِ جہل و ضلالت میں پڑے سوتے تھے
نورِ علمی سے ہوا اُس کی جہاں صبح دوم
ابرِ علم و عمل و فضل کا بادل برسا
جس جگہ اُس یمِ رحمت کا پڑا نقشِ قدم
جہل کو جب سبھی کہنے لگے اِخسأ اخسأ
چل دیا پاؤں دبے چپکے سے بابختِ وژم
علم کو لاکے ثریا سے ثری پر رکھا
آنکھوں سے دیکھ لیا عَلَّمَ مَا لَمْ یَعْلَمْ
دولتِ علم سے سیراب کیا عالم کو
قاسمِ علم بھلا کیوں نہو پھر اُس کا علَم
اس کی آواز تھی بے شک دمِ عیسیٰؑ کی صدا
جس کے صدقے سے لیا علم نے دوبارہ جنم
طائرِ علم شریعت کے لیئے یہ ویسبن
برکتِ حضرتِ قاسم سے ہے مامونِ حرم
سلسلے علم کے امصار و قریٰ تک جا رہے
اس کی ہمت سے ہوئے جلوے بتا فیضِ اعم
جملہ اعیان وا کابر تھے جلوے اُن کی گلا
اس کی شوکت کو پہنچی تھی کہاں شوکتِ جم

یک بیک حکمتِ باری نے جو پلٹی کھائی
چلدیئے چھوڑ کے یاں سب کو سوئے باغِ ارم
لوٹتے آگ پہ تھے حضرتِ یعقوب ورفیع
خون آنکھوں سے بہاتے تھے رشیدِ عالم
دیکھکر حضرتِ امداد کی زاری کو ملک
پر سمیٹے ہوئے کہتے تھے الٰہی اِرحَم
اہلِ علم اہلِ ورع خاص و عوامِ عالم
سب نے تقسیم کیا پر نہ ہوا کم یہ غم
فرقِ درجات کا قصہ تو جدا ہے لیکن
عام تھا عالمِ اجسام میں اس کا ماتم
متزلزل ہوئے سب مدرسہ کے رکن رکین
ہل گئے ہائے غضب سلسلۂ خیر کے تھم
علم آتا تھا نظر ایک یتیم بے کس
اہلِ علم آہ تھے مایوس بچشم پر نم
قاسمِ علم چلے علم بھی لو ساتھ چلا
کس کو تھا معلوم کہ بچھڑو گے بس اک قدم
ایک کا کرنا سفر دوسرے کا عزمِ سفر

جانِ علم کے بیٹے دونوں تھے سوہانِ الم
ہو گیا سب کو یقین باندھ لیا سب نے خیال
سلسلہ علم کا بس ہو گیا درہم برہم
اسی مایوسی و مجبوری و حیرانی میں
مجتمع ہو کے اکابر نے بچشم پُر نم
حضرت مرشدِ عالم سے تمنا یہ کی
آپ اب اپنے تصرف میں لیں یہ کارِ اہم
غایتِ خُلق سے فرمایا کہ مَیں تو ہوں یہیں
باقی ہر حال میں ہوں ساتھ تمہارے منضم
چند کلمے کہے زمی سے تسلی آمیز
ہو گئے زخم رسیدوں کے جگر کو مرہم
ہائے وہ نیچی نظر ہائے وہ شیریں الفاظ
کس غضب کے تھے کہ سب دور ہوئی تلخی غم
آپ کی پاک توجہ سے ہوا سب کو سکوں
علم کے اکھڑے ہوئے جم گئے واللہ قدم
کام اس مدرسہ کا فضل و کرم سے اُن کے
الغرض رو بترقی ہی رہا ہر ہر دم۔

مذہبی فتنے سلاسل تھے رہے سب جاری
کام کوئی نہ رُکا سہل تھا وہ یا مہتم
بعد چندے ہوا نیرنگیٔ قدرت کا ظہور
یعنی یعقوب ورفیع ہر دو وزیر اعظم ہند
ہو کے مشتاق لقا پہنچ گئے بعدِ دِگر
خدمتِ قاسم خیرات میں شاد و خرم
دست و پا بھی تو چلے سر تو تھا پہلے ہی گیا
قلب بس باقی رہا یعنی رشیدِ عالم
وہ بھی مجروح ستم دیدۂ ہجر احباب
جرعہ نوشِ ستم و دُردکشِ ساغرِ غم
اسی اندوہ و غم و یاس میں سبحان اللہ
رحمتِ حق ہوئی مبذول بحالِ عالم
بھر دیا قلب مقدس میں تمام عالم کا
درد و غم خیر و صلاح خوب ملا کر باہم
خاص کر ترکۂ قاسم کی محبت واللہ!
بے طرح اس دلِ اقدس میں ہوئی مستحکم
سب کی الفت پہ تھی اس کی ہی محبت غالب

سب غموں پر جو تھا ممتاز یہی تھا وہ غم
پھر تو کیا تھا دی خدا نے وہ ترقی اِس کو
دیکھ لیں آپ نہیں اپنی زباں سے کیا ہم
پوچھئے کیا ہو دماغوں کا ہمارے احوال
ہم غریبوں کا زمیں پر نہیں پڑتا تھا قدم
نہ رکا پر نہ رکا پر نہ رکا پر نہ رکا
اُس کا جو حکم تھا تھا سیفِ قضائے مبرم
نہ چلا کوئی فساد ایسا کہ پاؤں نہ کٹے
فتنہ نے سر نہ اٹھایا کہ ہوا ہو نہ قلم
کلفتیں جھیلیں کبھی پر نہ ہوا چیں بہ جبیں
دقتیں دیکھیں ٹلا اپنی جگہ سے نہ قدم
دشمن و دوست کے چہرے میں تفاوت ہے یہ
سرسوں پھولی تھی وہاں اُس نے لگا تھا عدم
مشکلات ہوتے تھے سب اُس کے اشارے سے طے
عہدہ اور قہر میں تھے اُس کے لغم اور نقم
نہ رہا کوئی وزیر اور نہ رہا کوئی مشیر

سارے قصے تھے اور اُس شیرِ خدا کا اِک دم
سب مریضوں کے لیئے ایک ہی تھا آنار
سیکڑوں زہر تھے تریاق تھا بس اُسکا دم
داغ ہے لفظ نعم کو کہ خلافِ حق پر
منہ سے اُس کے کبھی نکلا نہ خدا ہی کی قسم
لا کو حسرت ہے یہی اور نہ ہووے کیونکر
شکل دیکھی نہ کبھی اُسکی دُعا کی اِک دم
قائم و حضرتِ امداد کو مرنے نہ دیا۔
بلکہ زندہ ہی رکھا سب کو علیؑ وجہ اتم
مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا۔
اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابنِ مریم
ہائے غم ہائے ستم ہائے غضب ہائے اَلَم
آج اس سے بھی ہوا دیکھلو خالی عالم
آگے کہنے کی ہے کچھ بات نہ اس کہنے کی تاب

لب تلک آتا ہے لیکن یہ مقولہ پیہم

رحم بر بے کسیم ، ہیچ نہ کردی رفتی

اے کہ کفِ پائے تو بود تاجِ سرم

آج تو قاسم و امداد سب ہی مرتے ہیں

اس کا کیا ذکر ہے برباد ہوئے تم یا ہم

منتظر بیٹھے ہیں اب ہم پہ گذرتا کیا ہے

قہر کا خوف ہے پر ساتھ ہے امیدِ کرم

تو رحیم و ملک و بار ہے سبحانہٗ سبحانہٗ

ہم جہول اور زیاں کار ہیں انہٗ حمٌ انہٗ

اے اسیرانِ غمِ قاسمِ خیر و برکات

دے فقیرانِ سرِ کوئے رشید جانم

پیروی کرتے رہو سعی کو ہاتھوں سے نہ دو

بدمے بادرمے یا قدمے یا بقلم

بے نمک ہیں مرے اشعار مگر تلخ نہیں

خالی از درد نہیں گرچہ ہیں پشتم پشتم